اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی ممالک کا کردار

(۳)

ڈاکٹر ابراہیم الشُّریقی

ترجمہ: خلیل حامدی

مسئلہ فلسطین سلامتی کونسل میں سلامتی کونسل کے اجلاس سے تھوڑی دیر پہلے امریکی حکومت نے ایک خفیہ اجلاس میں جو ۴ مارچ ۱۹۴۸ء کو وہائٹ ہاؤس (واشنگٹن) میں منعقد ہوا تھا، تقسیم فلسطین کی قرارداد سے دستبردار ہو جانے کا فیصلہ کر لیا اور طے کیا کہ فلسطین کو بین الاقوامی تولیت میں دینے کی تجویز زیر بحث لائی جائے۔ امریکی حکومت نے اپنے نمائندے مسٹر آسٹن کو ہدایت کی کہ وہ اس تجویز کو سرکاری طور پر کسی موزوں اجلاس میں پیش کرے۔ امریکی نمائندے نے جب یہ تجویز سلامتی کونسل کے سامنے پیش کی تو روس کے نمائندے نے اس پر شدید ناراضی کا اظہار کیا اور کونسل سے اس تجویز کو مسترد کر دینے کا مطالبہ کیا۔ عرب نمائندوں نے بعض تحفظات کے ساتھ بین الاقوامی تولیت کی تجویز کی تائید کی۔ فرانس کے نمائندے نے کہا:

"میں اپنی حکومت کی طرف سے امریکی تجویز کی حمایت کرتا ہوں۔ اس لیے کہ تقسیم کا نظریہ جیسا کہ مسٹر آسٹن نے اپنے بیان میں واضح کیا ہے، انتہائی غلط ہے اور فلسطین کے پیچیدہ مسئلہ کو ہرگز حل نہیں کر سکتا۔"

مگر روس کا نمائندہ گرومیکو اس امریکی تجویز پر برس پڑا۔ اُس نے کہا:

"نئی تجویزوں اور حلوں کی تلاش میں تضیع اوقات سے کچھ حاصل نہیں ہے۔ تقسیم ہی قابلِ قبول حل ہے۔ یہی حل یہودی قوم کو جو ماری ماری پھرتی ہے اور طرح طرح کے مصائب میں گھری ہوئی ہے استقرار بخش سکتا ہے اور فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کی ضمانت دے سکتا ہے۔ سلامتی

کونسل کو کسی ایسی قرارداد کے اندر ترمیم یا تبدیلی کا کوئی حق نہیں ہے جسے جنرل اسمبلی منظور کر چکی ہو۔ امریکہ نے جو نئی تجویز پیش کی ہے، یعنی تقسیم کے بجائے فلسطین کو بین الاقوامی تولیت میں دینے کی تجویز، اس سے اُس کا مقصد صرف عربوں کی خوشنودی حاصل کرنا ہے تاکہ امریکہ اپنے تیل کے مفادات کا تحفظ کر سکے۔[1]

غرض جس روز سے مسئلہ فلسطین اقوامِ متحدہ کے سامنے پیش ہوا اُس دن سے لے کر اسرائیل کے قیام اور قیام کے بعد کے عرصہ تک ہر مرحلہ میں رُوس اور کمیونسٹ بلاک لگاتار عربوں کی کھلم کھلا اور تند و تیز مخالفت کرتا رہا ہے۔ اس سلسلے میں اشتراکی ممالک کا شدید تر اور تلخ تر حملہ وہ تھا جو ۱۹۴۸ء میں انہوں نے کیا تھا۔ سلامتی کونسل میں فلسطین کے حقِ خود ارادیت پر ایک فیصلہ کُن معرکہ برپا تھا کہ روس نے بالآخر دخل اندازی کرتے ہوئے یہاں تک دھمکی دے دی کہ روس اسرائیل کی حفاظت اور امن کے تحفظ کی خاطر طاقت کے استعمال سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔

اس وقت فلسطینی قوم کی مدد کے لیے عرب ممالک کے متعدد دستے فلسطین میں داخل ہو رہے تھے۔ رُوسی مندوب نے ان دستوں کو بیرونی دخل اندازی قرار دیا۔ اس سلسلے میں اُس نے سلامتی کونسل کے اندر جو تقریر کی اُس کا ملخص یہ تھا:

> "سلامتی کونسل کو چاہیے کہ وہ فوراً بلا تاخیر عرب گوریلوں کو حکم دے کہ وہ فلسطین سے نکل جائیں۔ جب تک سرزمینِ فلسطین سے عرب گوریلے، جنہوں نے فلسطین پر لشکر کشی کر کے جنگ کی آگ بھڑکا رکھی ہے، واپس نہیں نکل جاتے اُس وقت تک قیامِ امن کے لیے جنگ بندی کا کوئی فائدہ نہیں ہے . . .
>
> . . . یہودی قوم کی امداد اور فلسطین کے اندر اُس کے حقوق کی حفاظت کے لیے ہم تمام ذرائع استعمال کریں گے۔"

۲۵ مئی ۱۹۴۸ء کے اجلاس میں، جو اسرائیل کے قیام کے اعلان اور فلسطین کی واگزاری کے لیے عرب افواج کے داخلے کے دوسرے ہی روز منعقد ہوا، شامی وفد کے قائد فارس بک الخوری نے ایک نہایت پُر مغز تاریخی بیان دیا اور سلامتی کونسل کے سامنے حق اور انصاف کو اجاگر کرنے کی قابلِ قدر کوشش کی۔ مگر سلامتی کونسل کی فضا کذب گوئی،

---

[1] ملاحظہ ہو سلامتی کونسل کی کارروائی ۵ و ۲۰ مارچ ۱۹۴۸ء

افترا پردازی، دھوکہ اور سیاسی چالبازیوں سے پُوری طرح مسموم تھی۔ علامہ فارس الخوری نے اس سب کے باوجود بابانگِ دُہل کہا:

"فلسطین کی سرزمین میں یہودیوں کی ایک جماعت استعمار کی پشت پناہی اور صہیونیت کی ریشہ دوانی سے داخل ہوئی۔ اُس نے سازشوں کے ذریعہ سے اور بین الاقوامی چالبازیوں کے پردہ میں عرب قوم کو چیلنج کر دیا اور بزورِ طاقت قدم جمانا شروع کر دیئے۔ اس ظالمانہ چیلنج کے جواب میں عرب حکومتوں نے فلسطینی قوم کی آواز پر لبیک کہا اور اُس کی دستگیری اور رخنی رسی کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔"

اسرائیل کو تسلیم کرنے میں مسابقت قرار دادِ تقسیم کے ہیروؤں نے صرف اقوامِ متحدہ سے یہ ظالمانہ قرارداد منوانے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اسے بزورِ طاقت نافذ کرنے کے لیے صہیونیوں کی پُوری پوری مدد کی۔ اور بالآخر جب ۱۴ رمئی ۱۹۴۸ء کو اسرائیل کے قیام کا اعلان ہُوا تو اس کے دس منٹ بعد تل ابیب پر اس ریاست کو تسلیم کر لینے کے برقیوں کی بارش شروع ہو گئی۔ سب سے پہلا برقیہ جس میں اسرائیل کو تسلیم کیا گیا امریکہ کے صدر ٹرومین کا تھا۔ اس کے چار منٹ بعد اسٹالن کا برقیہ پہنچ گیا۔ اور پھر کمیونسٹ ممالک اور مغربی یورپ کے ممالک کے برقیے پہنچے۔ مغربی یورپ کے برقیوں میں سب سے پہلا برطانیہ کا برقیہ تھا۔ اسٹالن کا برقیہ جو اس وقت ماسکو ریڈیو نے نشر کیا تھا اور یورپ اور امریکہ کے اخبارات میں بھی چھپا اس لحاظ سے ممتاز اور منفرد برقیہ تھا کہ اس میں بڑے پُرکشش اور بے حد روانہ اور حوصلہ افزا الفاظ میں اسرائیل کے فروغ کی خواہش ظاہر کی گئی تھی۔

امریکہ اور رُوس دونوں اسرائیل کے بانی ہیں اس تاریخ سے یہ بات بالکل ناقابلِ انکار حد تک واضح ہے کہ بین الاقوامی طاقتوں نے مل کر اسرائیل کو جنم دیا ہے۔ اور مغربی بلاک اور مشرقی بلاک (بزیر قیادتِ روس) دونوں نے اس میں ملی بھگت کا ثبوت دیا ہے۔ رُوس نے دراصل "دولتِ یہود" کے تصور کو اشتراکی بنیادوں پر جامۂ عمل پہنانے کی سعی کی اور اس معاملے میں اس کے پیشِ نظر اُسی منصوبہ پر عمل درآمد کرنا تھا جو اشتراکی تحریک کے یہودی زعماء نے وضع کیا تھا۔ یہی وہ زعماء تھے جنہوں نے لینن اور ٹراٹسکی کی قیادت میں خود رُوس کے بالشویک انقلاب کی منصوبہ بندی کی تھی۔ اسرائیل کے بارے میں بلاشبہ اس حد تک روس کا منصوبہ ضرور کامیاب ہو گیا کہ ایک یہودی ریاست وجود میں آ گئی۔ مگر روس کی یہ کوشش سعیٔ ناکام ثابت ہوئی کہ یہ ریاست خالصتاً کمیونسٹ ریاست بن جائے۔

اس کی وجہ زعمائے صہیون کی یہ اسکیم ہے کہ صہیونیت کو بیک وقت کمیونزم اور مغربی سرمایہ داری، دونوں سے رشتہ برقرار رکھنا ہے اور دونوں سے اپنے مقاصد کی خدمت لینی ہے۔

اسرائیل اور اشتراکی ممالک کے دوستانہ معاہدے | اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اسرائیل کی یہودی ریاست قائم ہو جانے کے بعد اشتراکی ممالک نے اسے پروان چڑھانے کے لیے کیا کچھ کیا ہے۔ مشرقی کیمپ اور خاص طور پر سوویت یونین، یوگوسلاویہ، چیکوسلواکیہ اور رومانیہ نے اسرائیل کے ساتھ اقتصادی، ثقافتی اور فنی تعلقات کو قائم کرنے اور بڑھانے میں مغربی کیمپ سے ہمیشہ سبقت کی ہے۔ چنانچہ اسرائیل نے سب سے پہلا معاہدہ جو کسی بیرونی ملک کے ساتھ کیا وہ وہ معاہدہ تھا جو اسٹالن کے عہد میں سوویت یونین کے ساتھ کیا گیا۔ اس ابتدائی معاہدے کے بعد خروشیف کے دور میں پے در پے تجارتی، ثقافتی اور سیاحتی معاہدات استوار کیے گئے۔ ان سب پر مستزاد وہ معاہدہ ہے جو بحری تجارت کے میدان میں اسرائیل سے کیا گیا ہے اور جس کی رُو سے رُوس کے تجارتی جہاز اسرائیلی بندرگاہوں کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ اسرائیل بالفعل روسی جہازوں کے ذریعہ سے ہی ایشیا کی منڈیوں اور مشرقی یورپ اور افریقہ کے ممالک میں اپنی برآمدات منتقل کر رہا ہے۔ صرف ۱۹۶۴ء میں اسرائیل اور روس کے درمیان تین معاہدات قائم ہوئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ تجارتی معاہدہ: اس معاہدے کی رُو سے دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی اشیاء کے تبادلہ کو ترقی دی جائے گی۔ رُوس اسرائیل سے فاسفیٹ، کیمیاوی اشیا اور پارچات خریدے گا۔ اور اسرائیل روس سے انجن، بجلی کے آلات اور ریشم درآمد کرے گا تاکہ اپنے کارخانوں میں تیار کر کے اُسے یہودیوں کی تجارتی کمپنیوں کے ذریعہ مغربی یورپ اور امریکہ میں فروخت کرے۔

۲۔ سیاحت کا معاہدہ: دونوں ملکوں کے درمیان سیاحت کو ترقی دی جائے گی اور اس میدان میں ہر طرح کی سہولتیں بیش از بیش فراہم کی جائیں گی۔ روسی مزدوروں اور اسرائیلی مزدوروں کے مابین روابط کو نشوونما دیا جائے گا۔ دونوں ملکوں میں فنکاروں، سائنس دانوں اور مصنفین کے باہمی تبادلہ اور دوروں کے لیے سالانہ پروگرام وضع کیے جائیں گے۔ چنانچہ اسی معاہدہ کی رُو سے ۱۹۶۴ء میں ہزاروں روسی سیاح

اسرائیل میں داخل ہوئے ہیں اور اُدھر یہودی نوجوانوں اور عمال کے متعدد وفود سوویت یونین کا دورہ کر چکے ہیں۔

۴۔ بحری نقل و حرکت کا معاہدہ: دونوں ملکوں کے درمیان مشترک بحری تجارت کی درآمد و برآمد میں پوری سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔ اسرائیل کے تجارتی جہازوں کو اجازت ہوگی کہ وہ سامانِ تجارت کو لادنے اور اتارنے اور ایندھن حاصل کرنے کے لیے روسی بندرگاہوں کو استعمال کریں۔ اس کے بالمقابل روس کا تجارتی بیڑہ اسرائیلی بندرگاہوں کے استعمال کا مجاز ہوگا۔

اسرائیل اور روس کے مابین جتنے معاہدات ہوئے ہیں ان کی دیکھا دیکھی دوسرے اشتراکی ممالک نے بھی ۱۵ سالوں کے اندر اسرائیل کے ساتھ متعدد معاہدات استوار کیے ہیں۔ ان ملکوں کے ساتھ اسرائیل کے معاہدات کا اجمالی بیان یہ ہے:

یوگوسلاویہ کے ساتھ	۴ معاہدات	ابھی تک قائم اور جاری ہیں
چیکوسلواکیہ کے ساتھ	۵ "	" "
رومانیہ کے ساتھ	۴ "	" "
بلغاریہ کے ساتھ	۳ "	" "
پولینڈ کے ساتھ	۳ "	" "
ہنگری کے ساتھ	۳ "	" "

اشتراکی ممالک اسرائیل کی منڈی ہیں | اشتراکی ممالک کی ہر گونہ مدد کی بدولت، جس میں اسرائیلی مصنوعات کے لیے منڈیاں مہیا کرنا اور اسرائیل کو ہر نوعیت کے میکانکی آلات فراہم کرنا بھی شامل ہے، اسرائیل نے قلیل مدت میں ترقی کے کئی مراحل طے کر لیے اور اس کی پیداوار میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ یہ بات ہر خاص و عام کو معلوم ہے کہ اسرائیل اپنی فاضل زرعی پیداوار (پھل اور غلہ) کا ۴۰ فیصد، کیمیاوی اشیاء کا ۴۰ فیصدی اور مختلف مصنوعات کا ۵۰ فیصد مشرقی یورپ کے ممالک اور روس کو برآمد کرتا ہے۔ ان ممالک میں یوگوسلاویہ پیش پیش ہے جس نے اسرائیل کے ساتھ پچھلے چند سالوں میں تجارتی تعلقات کو بڑی وسعت دی ہے یعنی ۱۹۵۰ء تک اُس کے تعلقات کی جو نسبت تھی اُس کے بعد یہ نسبت تین گنی بڑھ گئی۔

جو بات خاص طور پر توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ اسرائیل اشتراکی بلاک سے جو اشیاء درآمد کرتا ہے اُن کا بڑا حصہ افریقہ اور ایشیا کے مختلف ممالک کو برآمد کر دیتا ہے۔ اسرائیل کی اپنی مصنوعات کا بھی یہ حال ہے کہ جو افریقی ممالک اسرائیل کے ساتھ تجارتی اور فنی معاہدوں میں منسلک ہیں ان کی منڈیوں میں اسرائیلی مصنوعات کی بھرمار ہو رہی ہے۔ اور قریب قریب اسرائیلی مصنوعات نے منڈیوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔

<u>اسرائیل کی صنعتی اور زرعی ترقی میں کمیونسٹ ممالک کا حصہ</u> صنعتی اور زراعتی پہلوؤں کو لیجیے۔ ایوان ہائے تجارت کے اعلامیوں اور بین الاقوامی صنعت کے اعداد و شمار، اور یورپ اور اسرائیل کے سرکاری مآخذ اور بین الاقوامی عالمی تجارت کی گائیڈ بکس کو دیکھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسرائیل میں جتنے کارخانے قائم کیے گئے ہیں، اور اسرائیلی ماہرین زراعت کے میدان میں جتنی مشینری استعمال کر رہے ہیں اس کا بڑا حصہ کمیونسٹ بلاک سے اسرائیل نے درآمد کیا ہے اور کچھ مغربی یورپ اور امریکہ سے۔ ملاحظہ ہوں ذیل کے اعداد و شمار:

سنہ ۱۹۵۰ء تا سنہ ۱۹۶۵ء	کل تعداد	کمیونسٹ بلاک سے درآمد کردہ	مغربی بلاک سے درآمد کردہ
شکر سازی کے کارخانے	۳	۲	۱
دودھ اور پنیر تیار کرنے کی فیکٹریاں	۱۲۵	۹۰	۳۵
رس نکالنے کی فیکٹریاں	۱۴	۸	۶
بیجوں کے تیل اور کھل صاف کرنے کے کارخانے	۱۰	۶	۴
فلور ملز	۵۰	۳۰	۲۰
پارچہ بافی کی ملیں	۹	۵	۴
جوتے بنانے کی فیکٹریاں	۲۶	۹	۱۷
کیمیاوی کھاد کی فیکٹریاں	۲	۱	۱
مختلف کیمیاوی اشیاء کے کارخانے	۷	۳	۴
دوا سازی کے کارخانے	۵	۲	۳
بجلی کا سامان تیار کرنے والی فیکٹریاں	۸	۳	۵

پاور ہاؤس	۷۰۰	۵۰۰	۲۰۰
لکڑی کے کام کی ورکشاپیں	۵۰	۳۵	۱۵
سیمنٹ کی فیکٹریاں	۴	۳	۱
گلاس فیکٹریاں	۳	۲	۱
پٹرول صاف کرنے کے کارخانے	۲		۲
زرعی ٹریکٹر وغیرہ	۲۰۰۰	۱۵۰۰	۵۰۰
غلہ کاٹنے اور گاہنے کی مشینیں	۳۰۰۰	۲۰۰۰	۱۰۰۰

ان اعداد و شمار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسرائیل کی صنعتی ترقی کا دارومدار امریکہ اور مغربی یورپ کی بافراط امداد کے علاوہ روس اور وارسا پیکٹ سے وابستہ کمیونسٹ ممالک پر رہے۔ یہ بات بھی خلافِ حقیقت نہیں ہے کہ اسرائیل نے مغربی کیمپ سے خوب خوب فوائد حاصل کیے ہیں۔ خاص طور پر امریکہ ہر سال مشرقِ اوسط اور افریقی ممالک اور ایشیا کی بعض پسماندہ ریاستوں کو جو امداد بھیجتا ہے اسرائیل بھی اُس سے خاطر خواہ حصہ لیتا ہے اسرائیل کے اکثر و بیشتر آبی منصوبے جنہیں وہ مکمل کر چکا ہے، پختہ شاہراہیں، زرعی اصلاحات اور معدنی دولت کی تلاش و تحقیق (جسے وہ دریافت کر چکا ہے اور اس سے استفادہ کر رہا ہے) ان تمام مدوں کو اُس نے امریکی امداد اور امریکہ اور یورپ کی یہودی کمپنیوں اور تنظیموں کے عطیات سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔

اسرائیل اور سوشلزم یہ کوئی نیا راز نہیں ہے کہ اسرائیل جب سے وجود میں آیا ہے اُس کی زمامِ اقتدار سوشلسٹ لیبر پارٹی کے ہاتھ میں رہی ہے۔ یہ پارٹی "مابائی" کے نام سے مشہور ہے۔ اور اِسے اُن یہودی عناصر نے تشکیل کیا ہے جو مشرقی یورپ کی اشتراکی تحریک سے وابستہ ہیں۔ اس پارٹی کا موجودہ سربراہ لیوی اشکول ہے جو اس وقت اسرائیل کا وزیر اعظم ہے۔ اس پارٹی کا بنیادی ستون وہاں کی لیبر فیڈریشن (ہستدروت) ہے جس میں اسرائیلی مزدوروں کی مجموعی تعداد کا ۶۵ اور ۷۰ فیصد حصہ شامل ہے۔ بائیں بازو کی ایک اور سوشلسٹ پارٹی بھی ہے جسے "احدوت ھاودا" کہا جاتا ہے، جو لیبر یونینوں کے کچھ گروہوں پر مشتمل ہے۔ ایک نئی پارٹی وجود میں آئی ہے جو دراصل مابائی پارٹی سے الگ ہو جانے والے عنصر نے تشکیل کی ہے، اس کا نام "رافی" ہے اور اس کی قیادت بن گوریان کے

ہاتھ میں ہے۔ سب سے خطرناک پارٹی "حیروت" ہے جو بائیں بازو کے انتہا پسند گروہوں کی نمائندہ ہے۔ دوسرے درجہ پر بیسر پارٹی اغودات ہے اور تیسرے درجہ پر "حزب مزاحی"۔ ان تمام پارٹیوں کے قائدین اور مشرقی کیمپ کی حکمران کمیونسٹ پارٹیوں کے رہنماؤں کے درمیان متعدد وطنی، نسلی، فکری اور مشترکہ مفادات کے رشتے پائے جاتے ہیں۔ دراصل اسرائیل ایک سوشلسٹ اسٹیٹ ہے۔ اسرائیل کے حکمران وہ لوگ ہیں جو یورپ کے اشتراکی ممالک سے ہجرت کرکے فلسطین میں آباد ہوتے ہیں۔ اسرائیل کا طویل المیعاد منصوبہ جسے وہ کبھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا اس ریاست کی حدود کو فرات سے نیل تک وسیع کرنا ہے۔

اسرائیل کے مہاجرین میں کمیونسٹ ممالک کا تناسب ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اسرائیل کی آبادی کی اکثریت اشتراکی ممالک کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ اور ۲ لاکھ کی آبادی میں ان لوگوں کا تناسب یہ ہے:

۱،۵۰۶،۰۰۰	روس اور مشرقی یورپ کے علاقوں سے آنے والے
۲۵۰،۰۰۰	ایشیائی اور افریقی ممالک سے آنے والے
۲۰۰،۰۰۰	مغربی یورپ کے مہاجرین
۷۰،۰۰۰	شمالی اور لاطینی امریکہ کے مہاجرین
۲،۲۰،۰۰۰	عرب ممالک کے یہودی

ماسکو اسرائیل کے بقا کا حریص ہے ہم علانیہ کہتے ہیں کہ روس نے اسرائیل کے بارے میں جو موقف اختیار کر رکھا ہے وہ سیاسی نقشے کے لحاظ سے اس رویے سے ہرگز مختلف نہیں ہے جس کا امریکہ نے مظاہرہ کیا ہے۔ دونوں اسرائیل کے وجود کو قائم رکھنے کے حریص ہیں۔ دونوں نے مل کر اُس کی صنعتی ترقی میں حصہ لیا ہے اور سرزمین عرب پر اُس کے پاؤں جمانے کی کوشش کی ہے۔ روس اور اشتراکی بلاک اسرائیل کے بقاء دوام کا کیوں شدت سے حریص ہے، اس کے تین بنیادی اسباب ہیں:

اولاً: اسرائیل اشتراکی بنیادوں پر قائم ہوا ہے اور اس کی اکثر آبادی اشتراکی ممالک کے لوگوں پر مشتمل ہے۔

ثانیاً: اسرائیل کا وجود اُن عربوں کو، جو اشتراکیت کے ہوا خواہ ہیں، مجبور کرتا رہے گا کہ وہ مشرقی بلاک کی حکومتوں سے تعاون کرتے رہیں اور اس کی تجارتی منڈیوں سے وابستہ رہیں۔

ثالثاً: دوسرے مادی، سیاسی اور نظریاتی مفادات حاصل کرنے کے لیے۔

عربوں سے روس کی دوستی کی اصل بنیاد | اس بات سے انکار نہیں ہے کہ اشتراکی ممالک کلاسیک سامراج کی مخالفت کرتے ہیں اور براہِ راست یا بالواسطہ ہر طرح کے وسائل و ذرائع سے اس کے خلاف معرکہ آرا ہیں۔ اِسی پُرفریب پالیسی نے بعض عربوں کو اس خوش فہمی میں مبتلا کر دیا ہے کہ اشتراکی ممالک اُن کے حامی ہیں اور صہیونیوں کے چنگل سے فلسطین کی واگذاری میں اُن کے ساتھ شریک ہیں۔ مگر ۱۹۵۶ء کے حالات و واقعات اور اب جون ۱۹۶۷ء کے واقعات نے یہ مُبرہَن کر دیا ہے کہ مشرقی کیمپ نے ماسکو کی زبردست اشتراکیت نواز عرب ریاستوں سے جتنے رشتے بھی قائم کیے ہیں وہ اس بنیاد پر نہیں کیے ہیں کہ اسرائیل کے وجود کو محو کر دیا جائے گا، بلکہ خالص مصلحت پرستی کے نقطۂ نظر سے قائم کیے ہیں، جس کا ماحصل یہ ہے کہ اشتراکی انقلاب کی دعوت کی اشاعت کی جائے، اور عرب دنیا میں سستے طریقے سے اشتراکی فلسفہ و نظام کی جڑیں مضبوط کی جائیں اور اپنی مصنوعات کی کھپت کے لیے عرب ممالک کی منڈیوں سے استفادہ کیا جائے۔ خود روسی لیڈر بارہا یہ اعلان کر چکے ہیں کہ وہ عربوں کو جو کچھ امداد دے رہے ہیں وہ اس لیے نہیں ہے کہ اسرائیل کو منہدم کیا جائے بلکہ اس لیے ہے کہ عرب دنیا میں اشتراکی رجحان کو مضبوط کیا جائے اور عربوں اور اسرائیل کے مابین پُرامن بقائے باہم کی فضا پیدا کی جائے یعنی عرب فلسطین پر یہودی قبضے کو تسلیم کریں اور آئندہ ان میں لڑائی نہ ہو۔

اشتراکی کیمپ کی طرف سے عربوں کی امداد کی حقیقت | بلاشبہ روس اور اشتراکی بلاک نے اشتراکیت زدہ عرب ملکوں کی بھی مدد کی ہے مگر یہ امرِ واقعہ ہے کہ اس نے مصر، شام اور الجزائر کو آج تک جو امداد دی ہے وہ اُس امداد کا ایک فیصد بھی نہیں ہے جو اُس نے اسرائیل کو دی ہے۔ اسرائیل نے صنعتی ترقی کا قصر روس اور مشرقی یورپ کی امداد سے تعمیر کیا ہے اور عسکری طاقت مغربی بلاک کی امداد سے فراہم کی ہے۔ بخلاف اس کے عربوں نے اشتراکی کیمپ سے جو اسلحہ بھی حاصل کیا ہے اُسے اپنے سرمائے سے خریدا ہے یا پھر اُن قرضوں سے خریدا ہے جو انہوں نے اپنے بعض منصوبوں کی تکمیل کے لیے مانگے تھے اور جو ہر صورت واجب الادا ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ عربوں کو جو امداد، اسلحہ اور قرض ملا ہے اُسے تو مشرق و مغرب کے پریس نے خوب اچھالا ہے اور اُس کے اعداد و شمار سے دنیا بھر کو اطلاع دی ہے۔ مگر اسرائیل کو جو امداد دی گئی ہے اشتراکی کیمپ نے اُسے دانستہ

پردۂ راز میں رکھا ہے تاکہ عربوں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے اور عربوں سے اُس کے دوستانہ تعلقات متاثر نہ ہوں۔ اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ سے پہلے امریکہ اور روس دونوں نے مصر کو اسرائیل پر حملہ کرنے سے روکا تھا، درآنحالیکہ دونوں کو یہ معلوم تھا کہ اسرائیل ۵ رجون کو مصر پر حملہ کرنے والا ہے۔ پھر اس جنگ میں شکست کھانے کے بعد مصر کو روس سے جتنے ہتھیار بھی ملے ہیں وہ حملہ کے نہیں بلکہ صرف مدافعت کے ہتھیار ہیں، حالانکہ اسرائیل کو مغربی ملکوں سے جو ہتھیار مل رہے ہیں وہ سب کو معلوم ہے کہ حملہ کے ہتھیار ہیں۔ مزید برآں یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ روس اپنے زیرِ دست اشتراکی عرب ممالک کو سختی کے ساتھ اس بات پر مجبور کر رہا ہے کہ وہ اپنے کھوئے ہوئے علاقے حاصل کرنے کے لیے صرف سیاسی سمجھوتے پر اکتفا کریں اور لڑنے کا نام نہ لیں۔ حالانکہ وہ یہ بات خوب جانتا ہے کہ سیاسی ذرائع سے اسرائیل عرب سرزمین کا ایک انچ بھی واپس نہ دے گا۔

اسرائیل کو تیل کہاں سے ملتا ہے؟ ایک خاص پہلو جس پر کسی اہلِ قلم نے آج تک گفتگو نہیں کی اور نہ ثقہ شہادتوں کی روشنی میں اُسے حل کرنے کی کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ اسرائیل کو پٹرول کہاں سے ملتا ہے اور کیسے ملتا ہے؟

جس طرح مسئلہ فلسطین اور دوسرے عرب مسائل مثلاً اتحادِ عرب وغیرہ کے بارے میں عرب عوام کے ذہنوں میں غلط تصورات بیٹھ چکے ہیں، اسی طرح اسرائیل کے پٹرول کے ذرائع کے بارے میں بھی طرح طرح کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ اس بارے میں ہمیں تین نقطۂ نظر ملتے ہیں۔ ہر نقطۂ نظر کا علمبردار گروہ اطلاعات کے ایسے ماخذ کے بل پر اپنے موقف کی بنیاد استوار کرتا ہے جنہوں نے پچھلے دس سالوں کے عرصہ میں صحیح رہنمائی اور عوام کی صحیح تربیت کے بارے میں کوہ قامت غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے۔ ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ ایران اسرائیل کو پٹرول دیتا ہے۔ دوسرا گروہ اس رائے کا علمبردار ہے کہ اسرائیل خلیج عربی کی ریاستوں سے پٹرول حاصل کرتا ہے، اور تیسرے گروہ کا جواب یہ ہے کہ صرف امریکی اور برطانوی کمپنیاں ہی صہیونی ریاست کو عربی پٹرول کی سپلائی کرتی چلی آرہی ہیں۔

لیکن ہمارے پاس تین ایسے ثقہ ذرائع ہیں جن کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے امرِ واقع اس کے برعکس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۴۸ء میں جب عراق کا پٹرول، جو کرکوک سے حیفا تک پائپ لائن کے ذریعہ جاتا تھا، منقطع کر دیا گیا تو اس کے بعد اسرائیل نے رومانیہ سے پٹرول کی امداد طلب کی۔ کیونکہ رومانیہ تیل کی دولت سے مالا مال ہے۔ اور رومانیہ اسرائیل کا گہرا دوست سمجھا جاتا ہے۔ اسرائیل کے ساتھ رومانیہ کے مضبوط روابط

قائم ہیں اور بے شمار اقتصادی، تجارتی، ثقافتی اور فنی رشتوں میں دونوں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ ماسکو کے اشارے پر رومانیہ نے عراقی پٹرول بند ہونے ہی اپنے دوست اسرائیل کو بافراط پٹرول کی سپلائی جاری کر دی[1]۔

۱۹۵۵ء میں روس نے اسرائیل کو ۵۰ ملین ڈالر کا قرض اس غرض کے لیے دیا کہ اسرائیل اپنی ضرورت کا تیل روس سے خرید سکے۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا قرض تھا جو ماسکو نے ایک بیرونی ملک کو پیش کیا[2]۔

۱۹۶۱ء میں اسرائیل نے تیل کا ذخیرہ کرنے کے لیے اٹلی کی تیل کمپنی اینی سے بھاری بھرکم مقدار حاصل کی، یہ کمپنی مغربی یورپ کی وہ واحد کمپنی ہے جو روس سے تیل درآمد کرتی ہے اور اُسے اٹلی میں اور چند افریقی ممالک میں فروخت کرتی ہے۔

پانچ سال سے اسرائیل نے خود صحرائے نقب سے تیل نکالنا شروع کر دیا ہے۔ صحرائے نقب کا تیل اُس کی سالانہ ضرورت کا ۳۵-۴۰ فیصد پورا کر دیتا ہے۔ اور بقیہ ضرورت وہ بیرونی تیل سے پوری کرتا ہے[3]۔

اسرائیل کی سیاست ماسکو کی خواہش سے ہم آہنگ ہے سیاسی میدان میں اسرائیل مغربی کیمپ سے گہرے تعلقات اور اس سے ہمہ گونہ امداد حاصل کرنے کے باوجود ایسی پالیسی پر گامزن ہے جس کے بنیادی اور اہم نکات روس کی خواہش کی ہمنوائی کرتے ہیں۔ اس پالیسی کے تحت اسرائیل نے روس کے حسب ذیل مطالبات کو کما حقہ پورا کیا ہے۔

۱۔ اسرائیل آج تک مغرب کے کسی ایسے سیاسی یا عسکری معاہدے میں شامل نہیں ہوا جو اشتراکی بلاک سے، جس کا قائد ماسکو ہے، متصادم ہوتا ہو۔

۲۔ امریکہ کی مخالفت کے باوجود اسرائیل نے چین میں ماؤزے تنگ کے نظام کو تسلیم کیا۔

۳۔ اسرائیل نے پولینڈ کی نئی حدود کو تسلیم کر لیا، جس کے معنی یہ ہیں کہ جرمنی اپنے مشرقی علاقوں سے مستقل طور پر محروم ہو جائے گا اور وہ علاقے پولینڈ کا حصہ تسلیم کیے جائیں گے۔ اسرائیل کے اس اعتراف سے مغربی یورپ میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی ہے اور جرمن حلقوں میں صہیونیوں کے خلاف شدید انتقامی جذبات اُبھر آئے ہیں،

[1] ملاحظہ ہو اقتصادی مطالعہ کے دفتر کی رپورٹ (روم ۴۹ء)

[2] ملاحظہ ہو جنرل فاؤنڈیشن برائے تجارتِ خارجہ کی رپورٹ (برسلز ۱۹۵۵ء)

[3] ملاحظہ ہو اقتصادی تحقیقات کے دفتر کی رپورٹ (پیرس ۱۹۶۳ء)

کیونکہ پولینڈ کی نئی حدود کو روس اور وارسا پیکٹ کے ممالک اور اسرائیل کے سوا کسی نے ابھی تک تسلیم نہیں کیا ہے۔

۴۔ اسرائیل ماسکو کے نقشۂ سیاست کی غیر مشروط حمایت کرتا رہتا ہے۔ خاص طور پر برلن کے معاملہ میں اور جرمن قوم کے اتحاد کی مخالفت کے بارے میں۔

۵۔ مسئلۂ کشمیر کے بارے میں اسرائیل اشتراکی کیمپ کا ہمنوا رہا ہے۔

۶۔ اسرائیل کی تمام بائیں بازو کی پارٹیاں اور مزدوروں کی تنظیمیں ان تمام کانفرنسوں میں شرکت کرتی ہیں جو ماسکو، پراگ، صوفیا، بلغراد، بڈاپسٹ اور وارسا میں منعقد ہوتی ہیں اور پُرامن تقائے باہم اور استعمار اور ان تمام نظریات کی بیخ کنی کے منصوبے بناتی ہیں جو اُن کی نگاہ میں "رجعت پسندانہ" ہوتے ہیں۔

رُوس کی طرف سے پُرامن بقائے باہم کی دعوت جہاں تک عرب ممالک کا معاملہ ہے روس نے پہلی مرتبہ ۱۹۵۵ء کے اوائل میں اِس علاقہ میں اپنے اثرات پھیلانے شروع کیے ہیں۔ اس وقت سے رُوس نے اس علاقے سے متعلق اپنی پالیسی کو سائنٹفک سوشلزم (مارکسزم) کی دعوت اور عربوں اور اسرائیل کے مابین پُرامن بقائے باہم کی بنیاد پر وضع کر رکھا ہے۔ بقائے باہم کے دوسرے معنی اسرائیل کو تسلیم کرنے اور اس سے صلح کر لینے کے ہیں، اور صلح کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ عرب فلسطین پر اسرائیل کے قبضے کو جائز مان لیں۔ اس سے یہ واضح ہوتا کہ دنیائے عرب میں بقائے باہم کی جو دعوت پھیلائی جا رہی ہے اور مختلف عنوانوں سے اس ملعون نظریے کی اشاعت کی جا رہی ہے اس کا مقصدِ وحید ایسے "پُرامن حالات" پیدا کرنا ہے جو اس دعوت اور نظریے کو بروئے کار لانے میں ممد و معاون ہو سکتے ہوں۔ یہ حقیقت خود روسی لیڈروں نے ہر موقع و مناسبت پر واضح کی ہے اور اُن تمام کانفرنسوں میں اس کی صدائے بازگشت سُنی گئی ہے جو ماسکو میں ۱۹۵۶ء، ۱۹۵۹ء، ۱۹۶۱ء، ۱۹۶۳ء اور ۱۹۶۶ء میں منعقد ہو چکی ہیں۔ خروشیف نے جب ۱۰ مئی ۱۹۶۴ء کو قاہرہ کا دورہ کیا تھا تو اس نے صدر جمال عبدالناصر کو "ہیرو آف روس" کا خطاب دیتے ہوئے صراحت سے کہا تھا:

"سوویت یونین کی حکومت پُرامن بقائے باہم کے اصُول کی پابند ہے اور اس پر قائم ہے عرب لوگوں کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اس علاقے میں امن کی ضمانت فراہم کرنے اور اس علاقے کی تمام اقوام کے ساتھ پُرامن زندگی بسر کرنے کے لیے اس اصول کو اپنی سیاستِ خارجہ کا محور بنائیں۔ علاقے کی

اقوام سے مراد عرب اور اسرائیلی ہیں"۔

خروشیف نے عرب قومیت پر بھی شدید تنقید کی اور کہا "اشتراکیت کسی قومی نظریے کو تسلیم نہیں کرتی۔ اشتراکیت مزدوروں اور کسانوں کے اتحاد کی علمبردار ہے . . . ."

خروشچیف کے بعد کوسیجن اور بریزنیف اور پڈگورنی نے بھی روس کی اس پالیسی کی توثیق کی ہے اور کہا ہے کہ:

"روس پُرامن بقائے باہم کے راستے کا پابند ہے اور اسی بنیاد پر وہ ترقی پسندانہ (یعنی اشتراکی) تحریکوں کا پرجوش حامی اور مؤید ہے[1]"

کمیونسٹ حلقوں کی طرف سے آزادیٔ فلسطین کا کبھی مطالبہ نہیں کیا گیا جو بات عرب عوام کو خاص طور پر معلوم ہونی چاہیے، اور جسے عرب پریس نے عوام کو بتانے کی کبھی زحمت گوارا نہیں کی وہ یہ ہے:

الف: جس روز سے اسرائیل کے منحوس وجود نے جنم لیا ہے اُس روز سے آج تک ماسکو یا کمیونسٹ بلاک کے دوسرے شہروں میں کمیونسٹ پارٹیوں اور بائیں بازو کی جماعتوں کی جتنی کانفرنسیں اور اجتماعات ہوئے ہیں اُن کے پورے ریکارڈ میں کسی ایسی سفارش یا قرارداد کا نشان نہیں ملتا جس میں فلسطین کا ذکر ہو، یا فلسطین کو عرب علاقہ کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہو، یا فلسطین کی آزادی کی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسی بھی کوئی سفارش یا اپیل یا قرارداد نہیں ملتی جس میں اسرائیل کے وجود پر کوئی مخالفانہ کلمہ کہا گیا ہو، یا اس کے توسیعی منصوبوں کی مذمت کی گئی ہو۔

ب: "افریشیائی تنظیم" کی کانفرنسوں میں بھی جو قراردادیں پاس کی گئی ہیں اُن کی پوری رُوداد میں ایسی کوئی قرارداد موجود نہیں ہے جو شست انداز میں فلسطین کو یہودیوں سے آزاد کرانے کے نظریہ کی حمایت کرتی ہو، اور اسرائیل کو استعمار کی تخلیق کردہ غیر قانونی ریاست تصور کرتی ہو۔ "افریشیائی تنظیم" نے، جس کا مستقل مرکز قاہرہ میں ہے، اپنی تمام سفارشات اور قراردادوں کے اندر مسئلۂ فلسطین کے بارے میں حد سے حد جو باتیں کہی ہیں وہ اس طرح کے رسمی الفاظ میں ادا کی گئی ہیں: "عرب پناہ گزینوں کی بحالی کا حق" ــــ "اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کی پابندی" ــــ

ج: بلگانن، خروشیف اور کوسیجن تینوں کے عہد میں عرب حکمرانوں نے روسی زعماء کے ساتھ جتنے سیاسی

---

[1] ملاحظہ ہو: روس کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کی رپورٹ مطبوعہ ماسکو، ۲۹ مارچ ۱۹۶۶ء۔

اور اقتصادی مذاکرات کیے ہیں اور ان کے خاتمہ پر جتنے مشترکہ بیانات جاری کیے گئے اُن میں سے کسی بیان میں آج تک فلسطین کی آزادی کا کبھی ذکر نہیں آیا ہے اور نہ کسی ایسی ذمہ داری کا عہد کیا گیا ہے جس کی رُو سے ماسکو فلسطین پر عربوں کے حق کی بحالی کے لیے ان کی مدد کرنے کا پابند ہوتا ہو۔ ان تمام بیانات میں مسئلۂ فلسطین کے بارے میں اس سے زیادہ کسی جذبے کا اظہار نہیں کیا گیا ہے کہ "فلسطینی عربوں کے حقوق کی حمایت کی جاتی ہے" حمایت کا جو مفہوم ماسکو کے پیشِ نظر ہے وہ یہ نہیں ہے کہ ماسکو ان حقوق کی بحالی میں حصہ لے گا یا فلسطین کو یہودیوں سے آزاد کرانے کی موافقت کرے گا، بلکہ صرف یہ ہے کہ وہ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کے تحت مہاجرین کے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرے گا۔

عرب پریس کا گمراہانہ پروپیگنڈا جعل سازی، فریب دہی اور تحریف و تضلیل کے ہتھکنڈوں نے عرب تاریخ کے نازک سے نازک مراحل میں بھی انتہائی خطرناک اور نقصان دہ کردار ادا کیا ہے۔ دوسری طرف سیاسی اور نظریاتی تشدد نے اربابِ فکر و سیاست اور آزاد اہلِ قلم کے حلقوں میں ایسی خوفناک فضا پیدا کیے رکھی ہے کہ حقیقت کی جستجو اور حقیقت کے اظہار کا ہر جذبہ اپنی موت مرگیا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں، اگرچہ یہ کہتے ہوئے بڑا دکھ ہوتا ہے کہ عرب رائے عامہ کو گمراہ کرنے میں ان لوگوں نے تمام سابقہ ریکارڈ مات کر دیے ہیں۔ اس دعوے کے ثبوت میں بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ عرب پریس سالہا سال سے عرب عوام کو یہ یقین دلاتا رہا ہے کہ روس نے اپنے عرب اشتراکی دوستوں سے یہ عہد کر رکھا ہے کہ عربوں پر جب کبھی حملہ ہوگا، روس اُسے ناکام کرنے کے لیے عملی اقدامات کرے گا۔ نیز اُس نے یہ ذمہ داری بھی اپنے سر لے رکھی ہے کہ وہ فلسطین کی جنگِ آزادی میں عربوں کے دوش بدوش شرکت کرے گا۔ مگر ۵ جون ۱۹۶۷ء کو بلی تھیلے سے باہر آگئی اور روس کا حقیقی رویّہ طشت از بام ہوگیا۔ رُوس نے اس تباہ کُن جنگ میں اسرائیلی جارحیت کو فنا کرنے کے عملی اقدامات کے بجائے صرف کھوکھلے بیانات پر اکتفا کیا۔ ہمیں رُوس کے اس رویّے پر انگشتِ حیرت منہ میں لینے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے اور نہ روس کو کوئی ملامت ہی کی جانی چاہیے۔ کیونکہ روس نے عربوں کے ساتھ اپنے دوستانہ تعلقات کبھی اس بنیاد پر استوار نہیں کیے تھے کہ وہ صہیونیت کی بیخ کنی کے لیے عربوں کی دستگیری کرے گا یا فلسطین کے اندر عربوں کو ان کا حق واپس دلائے گا۔ روس کو بھی

مغربی ممالک کی طرح عربوں کی دوستی سے اس کے سوا اور کوئی سروکار نہیں ہے کہ وہ عرب ممالک میں اپنے مفادات کی حفاظت کر سکے اور اپنے سیاسی اثرات کو زیادہ سے زیادہ پھیلا سکے ۔ لہٰذا یہ روس کا نہیں بلکہ عرب پروپیگنڈہ بازوں کا قصور ہے کہ انہوں نے خود اپنی ہوا باندھنے کے لیے عرب عوام میں روس کے متعلق بے بنیاد توقعات پیدا کیں۔

۲- عرب پریس نے عرب اقوام کے ذہنوں میں دشمن کی طاقت اور اس کی فوجی تیاریوں اور اس کے اقتصادی اور سیاسی حالات کے بارے میں بلاتحقیق غلط اندازے بٹھائے۔ یہاں تک کہ جنگ سے صرف چار ہفتے قبل اس بارے میں مغالطہ انگیز اور من گھڑت اعداد و شمار شائع کیے جن سے عرب عوام مطمئن ہو گئے کہ اسرائیل شدید اقتصادی بحران میں گھرا ہوا ہے۔ اسرائیل میں بے روزگاروں کی تعداد صرف شہری مزدوروں کے اندر ۹۶ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ اُن یہودیوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے جو اسرائیل سے مغربی یورپ اور امریکہ واپس جا رہے ہیں اسرائیل کی فوج جس کی کل تعداد مردوں اور عورتوں سمیت ۲ لاکھ ہے، اس کے پاس جتنے جہاز، ٹینک اور توپیں ہیں وہ تمام عرب افواج کے مجموعی اسلحہ کے مقابلے میں صرف ۲۰ اور ۲۳ فیصد ہیں۔ ان غلط معلومات اور بے بنیاد اندازوں نے جنگی مہم پر گہرا اثر ڈالا اور عرب اپنے دشمن پر غلبہ پانے کے لیے ضروری تیاری نہ کر سکے۔

۳- عرب پریس کے قابو یافتہ پروپیگنڈے نے ایک نقصان یہ بھی کیا کہ ان شخصیتوں کو جو اقوام متحدہ میں فلسطین کے متعلق عربوں کے نقطۂ نظر کی ہمیشہ مخالف رہی ہیں، اور ان شخصیتوں کو جن کے اسرائیل کے ساتھ گہرے فکری اور سیاسی روابط رہے ہیں، عرب کا دوست بنا کر متعارف کرایا ہے۔ بے شک عرب قوم کو دوسری اقوام اور افراد کی دوستی کی بے حد ضرورت ہے۔ جن جن اقوام سے عربوں کی دوستی ہے اُسے مزید ترقی دینا چاہیے۔ لیکن نڈر عرب قوم کو کھوکھلے مظاہر اور خوشنما الفاظ کے دھوکے میں مبتلا کرنا کسی طور پر جائز نہیں ہے۔ امریکہ بلاشبہ عربوں کے مفاد کا دشمن ہے۔ اس سے ضرور ان کو خبردار کیجیے۔ مگر روس بھی عربی مفاد کا حامی اور دوست نہیں ہے۔ اس کے متعلق عربوں کو دھوکے میں رکھنا صریح ظلم ہے۔

۴- ایک اور اہم پہلو ایسا ہے جس کی طرف عرب عوام کی توجہ مبذول نہیں کرائی گئی، وہ یہ ہے کہ اسرائیل میں اس وقت جو سائنس دان ایٹمی تحقیقات کے میدان میں کام کر رہے ہیں اُن کے درمیان اور امریکہ اور روس کے ایٹمی سائنسدانوں کے درمیان نہایت گہرا تعاون پایا جاتا ہے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ امریکہ کے چند یہودی سائنسدانوں نے

ہی روس تک ایٹمی راز منتقل کیے ہیں۔ اُدھر روس نے سائنسی تحقیقات کے میدان میں اسرائیل کے ساتھ ہر نوعیت کے تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور ایٹم کے مشہور یہودی سائنسدان ڈاکٹر لانڈو اور روسی یونیورسٹیوں کے دوسرے اساتذہ کو اسرائیل کے تصرّف میں دے رکھا ہے۔

[اس مضمون کے مصنف ڈاکٹر ابراہیم الشریقی عرب دنیا کی نامور علمی اور سیاسی شخصیت ہیں۔ متعدد انٹرنیشنل سائنس اکیڈمیوں کے ممبر ہیں۔ متعدد یورپین یونیورسٹیوں کے وزٹنگ پروفیسر بھی ہیں۔ انہوں نے اس مضمون کی تیاری میں جن مآخذ سے استفادہ کیا ہے اُن کی اپنی تشریح کے مطابق وہ درج ذیل ہیں۔]

۱۔ اقوامِ متحدہ کے اجلاسوں کی کارروائیاں۔

۲۔ بین الاقوامی مشنوں کی رپورٹیں۔

۳۔ اسرائیل اور اشتراکی ممالک کے درمیان معاہدات کی دستاویزات۔

۴۔ یورپ اور امریکہ کے یہودی اداروں کے اعلامیے۔

۵۔ بین الاقوامی دستاویزات اور تعلقات کی انسائیکلوپیڈیا" طبع اوّل برلن ۱۹۳۸ء

۶۔ "صہیونی تحریک کی تاریخ"، پیرس ۱۹۵۰ء

۷۔ حاییم وائسمین کی ڈائری: "مشرق کی بیداری اور صہیونی تحریک" مؤلفہ جوزف سٹیلے۔ مڈریڈ ۱۹۴۶ء

۸۔ "صہیونیت اور بالشویک انقلاب"، مؤلفہ پروفیسر سانٹینے، میلانو ۱۹۲۶ء

۹۔ "عالمی جنگ کے چند راز" مؤلفہ اندرے لینو، پیرس ۱۹۲۴ء

۱۰۔ "موعودہ سرزمین کی طرف" مؤلفہ پروفیسر زانڈا، پراگ ۱۹۳۷ء

۱۱۔ "سٹالن سے وائسمین تک"۔ مؤلفہ ارمانڈ شنیٹر، پیرس ۱۹۳۹ء

۱۲۔ "یالٹا سے پوٹسڈم تک"۔ مؤلفہ جان سوریل، سان فرانسسکو، ۱۹۴۷ء

۱۳۔ سٹیٹینیوس (روزویلٹ حکومت کے وزیر خارجہ) کی ڈائری۔

۱۴۔ ماسکو، صوفیا، پراگ وغیرہ کی کمیونسٹ کانفرنسوں کی رودادیں۔